نظرات

اردو یونیورسٹی

گزشتہ اشاعت برہان میں پروفیسر رشید احمد صدیقی کے ایک کتابچہ "علی گڑھ ماضی وحال" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا گیا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جیسا کہ پروفیسر صدیقی نے بھی کہا ہے۔ سرسید کا یہ فیصلہ (اردو کو ترک کر کے انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانا) نہایت دور اندیشی اور وقت شناسی پر مبنی تھا۔ اس سے اردو زبان کے ان کوتاہ اندیش اور نادان دوستوں کو عبرت ہونی چاہئے جو آج کل اردو یونیورسٹی کے لئے شور مچا رہے ہیں اور حکومت سے اس کے قیام کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے اردو کو ذریعہ تعلیم بنانا اگر سرسید کے عہد میں مسلمانوں کے لئے پسماندگی کا سبب ہو سکتا تھا تو آج یہ ان کی ہلاکت کا باعث ہوگا۔

ہمارا یہ لکھنا تھا کہ بس غضب ہو گیا۔ نکتہ چیں دوستوں نے خطوط کی بھرمار اور سوالات کی بوچھار کر دی اس لئے ضروری ہے کہ اس پر ذرا کھل کر گفتگو کی جائے اصل موضوع پر گفتگو سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگرچہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ زبان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ چنانچہ اردو کا بھی نہیں ہے اور آج بھی اردو زبان کی شاعری افسانہ نگاری اور تحقیق و تنقید کے میدان میں غیر مسلم حضرات کا حصہ کچھ کم نہیں ہے لیکن یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہے کہ اب اردو جو کچھ بھی ہے عملاً مسلمانوں کی زبان ہو کر رہ گئی ہے۔ آپ دیکھ لیجیے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اردو کی کلاسوں میں غیر مسلم طلبار کی کیا تعداد ہوتی ہے؟ اردو اخبارات کے پڑھنے والوں میں ہندوؤں اور سکھوں

کا تناسب کیا ہے؟ اس بنا پر اردو یونیورسٹی کا مسئلہ خالص مسلمانوں کا تعلیمی مسئلہ ہے اور ہم کو اسی نقطۂ نظر سے اس کا جائزہ لینا چاہیے کہ اردو یونیورسٹی کے قیام سے مسلمانوں کو تعلیم کے اغراض و مقاصد کے پیش نظر نفع پہنچیگا یا نقصان؟ وہ ملک میں دوسرے طبقات کے ساتھ ترقی کے میدان میں آگے بڑھ سکیں گے یا پیچھے رہ جائیں گے؟ آئیے اب اس پر غور کریں۔

جو حضرات اردو یونیورسٹی کے قیام کے نہ صرف حامی بلکہ اس کے محرک اور داعی ہیں ان کے دلائل یہ ہیں:-

۱۔ نفسیاتِ تعلیم کا مسلمہ اصول ہے کہ کسی ایک مضمون کو ایک طالب علم جس اعتماد اور وثوق کے ساتھ اپنی مادری زبان میں سمجھ سکتا ہے کسی اور زبان میں نہیں سمجھ سکتا۔

۲۔ ہندی اور ملک کی دوسری علاقائی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم بنایا گیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ اردو ذریعۂ تعلیم نہ ہو۔

۳۔ اردو ایک ترقی یافتہ علمی زبان ہے اور اس میں علوم جدیدہ کا ترجمان بننے کی صلاحیت خاطر خواہ اگر نہیں تو حسب ضرورت یقیناً ہے۔

۴۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں اس کا تجربہ ہو چکا ہے وہ کامیاب رہا ہے اس سے اچھے نتائج پیدا ہوئے ہیں اور اس سلسلہ میں دارالترجمہ حیدرآباد نے جو کام کیا ہے وہ ہمارے لئے مشعلِ راہ بن سکتا ہے۔ بس یہی چار باتیں ہیں جو ہمارے حریف الٹ پلٹ کر کہتے ہیں۔ اب ہم ان میں سے ہر ایک پر نمبروار کلام کریںگے۔

۱۔ مادری زبان میں تعلیم بے شبہ زیادہ مفید اور نفع بخش ہوتی ہے لیکن مطلقاً نہیں بلکہ صرف ابتدائی یعنی پرائمری اور سکنڈری ایجوکیشن کے مرحلہ تک اس کے بعد علوم و فنون کی تعلیم لامحالہ اس زبان میں ہونی چاہیے جس کی آغوش میں

نئے علوم وفنون نے جنم لیا اور ارتقا کی منزلیں طے کی ہیں۔ کیونکہ ہر علم وفن کی مصطلحات اپنے ساتھ چند در چند تصورات اور معنوی کیفیات کی ایک ایسی دنیا رکھتے ہیں کہ دوسری کوئی زبان (جب تک اس کی ہی طرح ترقی یافتہ اور ہمہ گیر نہ بن جائے) معنی و مفہوم کی تمام وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹ نہیں سکتی۔ ہندوستان کے حق میں ایسی زبان صرف انگریزی ہے جو دنیا کی نہایت عظیم الشان نہایت وسیع اور بلند پایہ زبان ہے اور جس نے علوم جدیدہ اور سائنس اور ٹکنالوجی کے چمن کھلانے میں اس درجہ اہم رول ادا کیا ہے کہ فرانسیسی اور جرمنی زبان کے علاوہ کسی اور زبان کو اس کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ برصغیر میں پرانی نسل کے اکابر علم وفن سب وہی تھے اور ان میں کچھ اب بھی ہیں جو انگریزی کے ذریعہ اپنے اپنے فن کی تعلیم حاصل کیے ہوئے تھے اور اب آج کل کی موجودہ نسل میں جن نوجوانوں نے تعلیم میں امتیاز حاصل کیا ہے وہ بھی سب وہی ہیں جنہوں نے اگر اپنے ملک میں نہیں تو باہر جا کر ان علوم کی تعلیم انگریزی میں حاصل کی ہے جن نوجوانوں کو اس کا اتفاق نہیں ہوا ان میں تعلیمی امتیاز انہیں کے حصے میں آتا ہے جنہوں نے ابتدائی تعلیم انگلش اسکول میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم میں بھی انگریزی ان کا ذریعۂ اظہار رہی ان وجوہ کی بنا پر اعلیٰ تعلیم کے مرحلہ میں مادری زبان پر اصرار کرنا ہرگز تعلیم کے حق میں مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔ علاوہ ازیں اردو کے مادری زبان ہونے کی بات بھی اب ایک فریب ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اب مسلمان بچے اور بچیاں بہ نسبت اردو کے ہندی زبان میں زیادہ اچھی طرح بول لیتے اور لکھ سکتے ہیں جو اونچا طبقہ ہے وہ مغرب زدہ ہے اس کے ہاں نہ اردو کا گزر ہے نہ ہندی کا۔ اسے اس پر فخر ہے کہ اس کے بچے آج کل کے گریجویٹ سے بھی اچھی انگریزی بولتے ہیں۔ اس وقت اردو کے مادری

زبان ہونے کا بھرم جو کچھ بھی ہے۔ پرانی نسل کے دم سے قائم ہے بیس پچیس برس کے بعد اردو بولنے والے آٹے میں نمک کے برابر ہو کر رہ جائیں گے۔ جن گھرانوں میں اب بھی اردو بولی جاتی ہے ان کے نوجوانوں کا یہ عالم ہے کہ شاعروں کی زبان نہیں سمجھ پاتے۔ اردو میں خط تک نہیں لکھ سکتے۔ یہ انقلاب بڑی تیزی سے ہو رہا ہے اور اب اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

- جی ہاں ہندی اور دوسری علاقائی زبانیں تعلیم کا ذریعہ بن رہی ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی دیکھ لیجیے کہ تعلیم کی کیا گت بن گئی ہے۔ پورا ملک چیخ رہا ہے۔ نفسیاتی تجزیہ کیجیے تو طلباء میں موجودہ ذہنی انتشار و پراگندگی کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کو انگریزی آتی نہیں، انگریزی میں پڑھتے نہیں۔ لکچر ہندی یا کسی علاقائی زبان میں ہوتے ہیں۔ یہ زبان مضمون کو دلچسپ طریقہ پر طالب علم کے ذہن نشین کرنے سے قاصر رہتی ہے اس لئے طالب علم کی طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے اور وہ اپنی سرگرمیوں کے لیے دوسرے میدان تلاش کرتے ہیں۔ ورنہ جب طالبعلم کو اپنے مضمون میں حظ اور لطف آنے لگے ناممکن ہے کہ وہ کسی دوسری طرف کا رخ کرے۔ پھر ارباب حکومت، پارلیمنٹ اور اسمبلیوں کے ممبر، لیڈران کرام اور قوم کے نیتا جو پبلک میں ہندی کا پرچار کرنا اپنا مذہب بنائے ہوئے ہیں ذرا یہ دیکھیے کہ خود ان کی اولاد بھی کیا ہندی کے ذریعہ تعلیم پا رہی ہے؟ ان میں آپ کو بہت سے ملیں گے کہ ہندی کا کیا ذکر! ان کی اولاد ہندوستان میں نہیں۔ امریکہ یا یورپ میں تعلیم پا رہی ہے۔ اے کاش ملک کے غریب اور عوام محسوس کر سکتے کہ تعلیم کے میدان میں سرمایہ داری کی جونک کس بری طرح ان کے بچوں کا خون چوس رہی ہے۔

۳ ولم۔ وہی عثمانیہ یونیورسٹی کی بات! تو یہ صرف خوش فہمی اور اپنے ساتھ غیر معمولی حسن ظن ہے کہ وہاں اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کا جو تجربہ کیا گیا وہ کامیاب

رہا۔ حق یہ ہے کہ ہرگز کامیاب نہیں رہا اور اس سے مسلمانوں کو علوم و فنون اور سائنس و ٹکنالوجی کے میدان میں پیش قدمی کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا۔ اس یونیورسٹی نے علوم و فنون کے مختلف شعبوں میں جو افراد و اشخاص قابلِ ذکر اور ممتاز پیدا کئے ہیں وہ سب وہ ہیں جنہوں نے باہر کے ملکوں میں تعلیم کی تکمیل کی اور وہاں سے ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ دارالترجمہ کا جو کام ہے اس کو علمی حیثیت سے ہرگز معیاری کام نہیں کہا جاسکتا، وہی ایک کتاب ہے اس کو اصل انگریزی میں پڑھیے تو لطف آتا ہے اور اس کے سمجھنے میں دشواری نہیں ہوتی۔ لیکن اسی کو اردو میں پڑھیے تو طبیعت جگہ جگہ رکتی اور متوحش ہوتی ہے اور پھر سب سے عجیب بات یہ ہے کہ وضع اصطلاحات کا کام مولوی وحیدالدین سلیم کے سپرد کیا گیا جو بڑے مولوی اور اردو کے شاعر اور ادیب تھے اور انگریزی زبان اور علوم جدیدہ سے ناآشنا، چنانچہ ان کی فرہنگ ارباب علم کے لیے چین کی دیوار قہقہہ بن کر رہ گئی ہے۔

مسلمانوں کو جذبات پسندی سے الگ ہٹ کر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ آخر وہ کیا وجہ تھی جس کے باعث سرسید ایسے حکیم دانا اور اردو کے عظیم محسن نے اردو کو ترک کرکے انگریزی کو ذریعۂ تعلیم قرار دیا اور کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ ان کا یہ فیصلہ نہایت دانش مندی اور عاقبت شناسی پر مبنی تھا۔ سرسید کو اپنے زمانہ میں جو مقام حاصل تھا۔ جہاں تک اردو زبان کے معاملات و مسائل کے فہم کا تعلق ہے وہی مقام آج پروفیسر رشید احمد صدیقی کو حاصل ہے جو اردو برادری کے سب سے بڑے بزرگ